جلد ۴۲ | ۱۵ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ مطابق ۷ مارچ ۱۹۳۹ء | نمبر ۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

کتاب کے معنی شریعت نہیں

"پیغامِ صلح" کے ایک اعتراض کا جواب

(از نعمت اللہ گوہر بی۔ اے۔ قادیانی)

میں نے ایک نظم بعنوان "امیرِ پیغام کے نام" ۲۴ر جنوری کے "الفضل" میں چھپوائی تھی۔ شروع کے دو بندوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ ماموریت کا مختصر سا مختصر نقشہ دکھایا گیا ہے۔ بایں معنی آپ کے پاک وجود میں وہ تمام لوازمات بطریق احسن پائے جاتے ہیں۔ جو ایک نبی کے لئے ضروری ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ احتیاط بھی برتی گئی ہے۔ کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "احمدؐ کا غلام" کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ تا کسی جلد باز اور کوتہ اندیش کو کسی قسم کا دھوکا نہ لگے۔ لیکن افسوس! کہ پیغام صلح کے موجودہ ایڈیٹر صاحب نے جو ہمارے ایک عزیز بھائی کے فرزند ہونے کی وجہ سے ہمیں بھی عزیز ہیں۔ مگر الٰہیات کی دنیا میں نووارد اور بزرگانِ قادیان اور اصحابِ مسیحؑ کی پاک صحبتوں سے بہت کم بہرہ اندوز ہوئے ہیں۔ پھر بھی اس نظم کے ایک مصرع پر بے سوچے سمجھے اعتراض کر دیا۔ اور ایک دفعہ نہیں دو دفعہ اُسے پیغام صلح میں درج کیا۔ میں نے حضرت اقدس کے مجموعہ الہامات و رویاء و کشوف کو مدنظر رکھ کر ایک شعر یہ لکھا تھا ؎

روز و شب اپنی صداقت کے نشاں دکھلائے
بڑھ کے انجیل سے ساتھ اپنے کتاب اِک لائے

جناب آصف ایڈیٹر "پیغام صلح" اُسے پڑھ کر آتشِ زیر پا ہو گئے۔ انہوں نے خیال کیا کہ بس اب تو حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کو قادیان والوں نے شریعت والا نبی بنا دیا۔ گویا اُن کے نزدیک کتاب کے معنی شریعت ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ انجیل کوئی شریعت کی کتاب نہیں۔ قرآن کریم سے پہلے ۱۹۰۰ سال تک تمام دنیا کے لئے صرف ایک ہی شریعت تھی یعنی تورات۔ گو اولاً وہ بنی اسرائیل کے لئے ہی مقصود ہو۔ مگر سارے جہان میں اگر کوئی متلاشی حق کسی شریعتِ آسمانی کی تلاش کرتا۔ تو تورات کے سوا کسی شریعت کو نہ پا سکتا۔

شریعت کے لحاظ سے بھی کتاب کے معنی شریعت ہرگز نہیں۔ لغت کی رُو سے کتاب کے معنی ہیں۔ ہر لکھی ہوئی چیز (خواہ وہ ایک چٹھی ہی کیوں نہ ہو) یا جس چیز کے اندر کچھ لکھا جائے۔ ہاں کبھی اصطلاحی رنگ میں اس کے معنی شریعت کے لئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ بعض اہل لغت اور مفسرین نے کتاب سے مراد تورات لی ہے۔ یا جیسا کہ ذیل کے مصرع میں جسے ایڈیٹر صاحب نے ۸ر فروری کے پیغام صلح میں ایک شذرہ کے عنوان کی زینت بنایا ہے ؏

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی کئے ہیں۔ چنانچہ "ایک غلطی کا ازالہ" کے صفحہ ۸ پر آپ نے اس [illegible]وضاحت فرما دی ہے۔ جہاں لکھا ہے۔

"اور میرا یہ [illegible] من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب" اس کے معنی صرف اس قدر ہیں۔ کہ میں کوئی شریعت لے کر نہیں آیا۔ مگر ایڈیٹر صاحب پیغام سمجھتے ہیں۔ کہ کتاب کے معنی شریعت کے

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر پبلشر پرنٹر چھپکر دفتر اخبار الحکم تراب منزل قادیان سے شائع ہوا۔

سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے۔ حالانکہ اگر کتاب کے معنے ہر حال میں شریعت ہی مسلّم ہوتے۔ تو لغت بھی اس کی مؤید ہوتی۔ تو حضرت اقدس کو اس کی تشریح کی ضرورت نہ تھی۔ نیز حضرت مولوی محمد علی صاحب بھی یہی لکھتے ہیں۔ کہ شریعت الگ چیز ہے۔ اور ہدایت یا کتاب الگ اور ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ نبی کیلئے کتاب کا لانا ضروری ہے۔ اور درحقیقت نبی کی وحیٔ نبوت کا ہی دوسرا نام کتاب ہے۔'

(النبوۃ فی الاسلام صفحہ 126 و صفحہ 5)

اب جب ہم اس کے ساتھ اس امر کو بھی ملحوظ رکھیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی 1900 سال کے عرصہ میں شریعت لے کر نہیں آیا۔ گو کتاب ہر نبی کے پاس تھی۔ تو ماننا پڑتا ہے۔ کہ کتاب کے معنی شریعت لینا سخت غلطی ہے۔ ہاں عوام کے دل میں یہ غلط خیال ضرور بیٹھ گیا تھا۔ کہ کتاب کے معنے شریعت کے ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کی کتاب "قرآن شریف" ایسی ہی کتاب ہے۔ کہ اسمیں عظیم الشان پیشگوئیوں کے علاوہ ایک کامل اور عدیم النظیر شریعت بھی موجود ہے۔ جو دنیا کے آخیر تک کامل ہدایت کا کام دیگی۔ اس لیئے عام مسلمانوں کی اصطلاح میں کتاب شریعت ہی کا نام ہو گیا۔ اس غلطی کی وجہ سے انہوں نے بجائے دو شریعت کی کتابوں کے چار شریعت کی کتابیں بنالیں یعنی تورات اور قرآن کے علاوہ عوام زبور اور انجیل کو بھی شریعت کی کتابیں سمجھنے لگے۔ اسی طرح یہ غلط عقیدہ تراشا کہ رسول وہ ہے جو شریعت لے کر آئے۔ اور نبی وہ ہے جو بغیر شریعت کے ہو۔ حالانکہ یہ بات بھی بالکل غلط ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آکر اپنے مشہور مصرع

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب

میں جو کتاب کا لفظ بمعنے شریعت استعمال فرمایا۔ تو یہ اس پرانی قومی رسم کی پیروی تھی۔ لیکن مابعد کے زمانہ میں آپ نے اس کو بکلی ترک کر دیا۔ اسی طرح اس مصرع سے یہ بھی نکلتا ہے۔ کہ آپ مسلمانوں کے رسمی عقیدہ کی وجہ سے ابتداء میں بھی سمجھتے تھے۔ کہ رسول صاحب شریعت یا صاحب کتاب ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں آپ نے صاف لکھا۔ کہ میں خود نبی اور رسول ہوں۔ مگر ظلی طور پر۔ نیز نبی کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں لکھی ہے:-

"یہ تمام بدقسمتی دھوکہ سے پیدا ہوئی ہے کہ نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کی گئی۔ نبی کے معنے صرف یہ ہیں۔ کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو۔ صرف مکالمہ مخاطبہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لیئے ضروری نہیں۔ اور نہ یہ ضروری ہے۔ کہ وہ صاحب شریعت نبی کا متبع نہ ہو۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۳۸ و صفحہ ۱۲۹)

اس کے علاوہ آپ نے نبی اور رسول کی تعریف میں کوئی امتیاز نہیں رکھا۔

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف صاف فیصلہ فرما دیا۔ تو اب بھی اس پرانے خیال کی پیروی کرنا ناواجب اور ناجائز ہے۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھ دیا ہے۔ کہ تمام انبیاء کو خدا تعالےٰ نے کتابیں دی تھیں۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۲) اسی سے سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ تمام انبیاء صاحب شریعت تو ہو نہیں سکتے لہٰذا کتاب کے معنے شریعت لینا از خود باطل ہو گیا۔ ہر نبی کی کتاب سے اس کے الہام اور وحی کا مجموعہ ہی مراد ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ مولوی محمد علی صاحب کو بھی مسلّم ہے۔ پھر تعجب ہے۔ کہ ایڈیٹر صاحب پیغام صلح نے کتاب کے معنے شریعت کیونکر سمجھ لیئے۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام بھی کوئی کتاب ساتھ لائے ہیں یا نہیں۔ یا کیا کوئی کتاب آپ پر نازل ہوئی ہے یا نہیں؟ صاف ظاہر ہے۔ کہ آسمان سے تو کسی نبی پر کوئی کتاب گری نہیں۔ یہی ہوتا ہے۔ کہ نبی پر وحی والہامات نازل ہوتے رہتے ہیں اور علاوہ الہامات اور وحی کے رویا اور کشوف بھی انبیاء کو دکھائے جاتے ہیں۔ نبی کی زندگی کے آخری دنوں میں یا نبی کی وفات کے بعد جب ان الہامات۔ وحی۔ رویاء اور کشوف کو کسی چیز پر لکھ کر (یعنی بذریعہ کتابت) ایک جگہ جمع کر لیا جاتا ہے۔ تو وہ ایک کتاب بن جاتی ہے۔ اب سنیئے کہ حضرت مرزا صاحب یقیناً نبی ہیں۔ (یعنی بروزی نبی) اور یہ بات فریقین کو مسلّم ہے۔ کیونکہ حضرت مولوی محمد علی صاحب نے ۱۹۱۵ء ہی میں ایک ٹریکٹ میں جو اب تک موجود ہے۔ لکھ دیا تھا۔ کہ

"مسیح موعود ماننے میں ہم ایک۔ مہدی ماننے میں ہم ایک۔ اور نبی ماننے میں ہم ایک۔"

اور یہ بھی مانتے ہیں۔ کہ ہر نبی کے پاس ایک کتاب ہوتی ہے۔ پس لاہوری اصحاب کے مسلّمہ عقیدہ کے بموجب جبکہ حضرت مرزا صاحب نبی ہیں۔ تو اُن کی ایک کتاب بھی ہونی چاہیئے۔ اور یقیناً وہ کتاب جمع ہو کر "تذکرہ" کی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔ پس اگر کتاب کے لغوی معنوں میں میں نے یہ مصرع لکھ دیا۔ ع

ٹری انجیل سے ساتھ اپنے کتاب اک لائے

تو اس میں کونسی قیامت برپا ہو گئی۔ اگر کہو۔ کہ اس سے دھوکا لگتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ جب فریقین تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ دلی عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت حقیقی اور مستقل نبوت نہیں۔ بلکہ بلکہ ظلّی اور بروزی ہے۔ تو اس کی کتاب سے بھی حقیقی اور مستقل کتاب مراد نہیں لی جا سکتی۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ہر چیز ظلّی اور بروزی ہے۔ حتیٰ کہ مسیح موعود کے بعد جس کو خلافت حقّہ احمدیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وہ بھی ظلّی اور بروزی ہے۔ ایڈیٹر صاحب غور کریں۔ اور آنکھیں کھولیں۔ کہ جس کارخانہ کی سرے سے بنیاد ہی "ظل" اور "بروز" پر رکھی گئی ہو۔ اس کے ناموں خطابوں اور اعزازی ڈگریوں پر اعتراض کرنا کسی صحیح الدّماغ انسان کا کام نہیں۔

آخر میں ایڈیٹر صاحب نے مجھے دعوت دی ہے۔ کہ میں حضرت اقدس علیہ السلام کے اس مصرع

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب

پر گرہ لگا کر دکھاؤں۔ حضرت! جو تشریح میں نے کی ہے اس کی روشنی میں اب گرہ لگانے کی کیا حاجت رہی۔ جب کتاب کے معنے شریعت ہیں ہی نہیں۔ تو پھر آپ کو چاہیئے کہ ان بھول [illegible] سے جو احمدیہ بلڈنگس لاہور کی فضا کے اندر ہیں باہر آئیں۔ قادیان کا کوئی آدمی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو صاحب شریعت نبی نہیں مانتا۔ ایسا ہی حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو حقیقی یا مستقل نبی ماننا بھی ہمارے نزدیک کفر ہے۔

سنیئے! حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر نبی کہلائے۔ اور آپ کی بعثت کی اصل غرض (Purpose) بھی اسلام کی گمشدہ عظمت کو قائم کرنا ہے۔ اپنی نبوت کا منوانا اس غرض (Purpose) کے حصول کا ایک ذریعہ (Means) ہے۔ مختصر یہ کہ آپ کی نبوت اضافی (Relative) ہے۔ تو پھر نبوت کا لفظ آپ کے نزدیک ہوّا کیوں بنا ہوا ہے۔

آخری عرض ہے۔ کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مصرع پر حسب خواہش آپ کے اپنے الفاظ میں گرہ لگانا شائد بے ادبی میں داخل ہو۔ لہٰذا میں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے الفاظ کو نظم کر کے اس پر گرہ لگا دیتا ہوں۔ گو اس کا لگانا میرے خیال میں ضروری نہ تھا۔ سنیئے ؎

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب
زانجاہ کہ ایں کتاب بمعنی شریعت است

اخبار "فاروق" کا "تحریک جدید نمبر"

خداتعالیٰ کے فضل و کرم سے "فاروق" کا ایک خاص نمبر ۴۰ صفحات کا عنقریب شائع ہو گا جسکی اجازت حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے حاصل کر لی ہے۔ اور حضور نے بھی اس نمبر کیلئے مضمون رقم فرما کر عطا کرنیکا وعدہ فرما لیا ہے۔ یہ پرچہ تحریک جدید کا خاص نمبر ہو گا جسکی اشاعت ہزاروں تک ہونی چاہیئے۔ خریداران فاروق کو تو مفت ارسال کیا جائیگا لیکن دوسرے دوست خصوصاً تحریک جدید میں شامل ہونے والے پانچہزار سپاہی ایک ایک پرچہ اس کا ضرور خریدیں۔ اور حسب توفیق اس کو دوسروں میں تقسیم کریں۔ قیمت فی پرچہ معہ محصول ڈاک صرف ۲ر ایک پرچہ کیلئے ۲ر کے ٹکٹ ارسال کریں اور زائد کاپیاں منگوانیوالے دوست بحساب ۸ کاپی فی روپیہ قیمت معہ درخواست خریداری کہ کسقدر تعداد میں وہ یہ پرچہ خریدینگے جلد سے جلد ارسال کر دیں۔ تاکہ درخواستوں کے آنے پر اتنی ہی تعداد میں یہ پرچہ چھپوایا جائے جتنی کہ اس کی مانگ ہو۔ اشتہار دینے والے احباب کیلئے بھی یہ نادر موقعہ ہے۔ کیونکہ یہ کافی تعداد میں شائع ہونیوالا پرچہ ہے۔ اجرت اشتہار کا فیصلہ بذریعہ خط و کتابت کریں۔ تمام درخواستیں مندرجہ ذیل پتہ پر آنی چاہئیں۔

مینیجر اخبار "فاروق" قادیان ضلع گورداسپور

"الحکم" کو زیادہ بہتر بنانے کے متعلق

بعض احباب نے اخبار الحکم کی موجودہ ترتیب میں کسی قدر تبدیلی کر کے اور زیادہ بہتر بنانے کے متعلق مجھے توجہ دلائی ہے۔ میں اُن کے مخلصانہ خطوط کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس قدر عرض کرتا ہوں۔ کہ بہت جلد بعض اہم تبدیلیاں الحکم میں کرونگا۔ وہ مطمئن رہیں۔ اس سلسلہ میں بعض ضروری مشورے بھی مجھے کرنے ہیں مگر علی الحال میں اُن خطوط پر پوری ہی توجہ برتنے کی سعی کرونگا۔

(محمود احمد عرفانی)

میں کیونکر احمدی ہوا؟

سیرت المہدی کا ایک ورق

(چوہدری فضل احمد صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی کی جمع کردہ روایات)

مخدوم محمد صدیق صاحب بھیروی کا بیان ذکر حبیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج بتاریخ ۲۳ فروری ۱۹۲۳ء بروز جمعہ بوقت شام بعد نماز مغرب مسجد احمدیہ ۹ بلاک سرگودھا میں جناب مخدوم محمد صدیق صاحب احمدی ساکنہ بھیرہ محلہ پراچہ ضلع شاہ پور سے نیاز مند نے ملاقات کی۔ اور عرض کی کہ اگر آپ کو وقت کی گنجائش ہو۔ تو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر جناب مخدوم صاحب مکرّم بیٹھ گئے اور پھر نیاز مند کے سوال کہ "آپ کس طرح احمدی ہوئے؟" کے جواب میں فرمایا:—

"یوں ہوا۔ کہ ہمارے گاؤں میں ایک دفعہ عیسائی پادری آئے۔ انہوں نے الحمد شریف پر سخت اعتراض کئے۔ جنکا جواب ہم نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن چونکہ خدا تعالےٰ اسلام کی ذلت کو پسند نہیں کرتا۔ اُس نے پادریوں کی ذلت کا سامان کر دیا۔ میں نے پادری سے کتاب مانگی۔ جو اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ انجیل تھی۔ اس کی ورق گردانی کی۔ تو یوحنا کی انجیل نکلی۔ اس میں لکھا ہوا پڑھا۔ کہ "ابتداء میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ کلام خدا تھا۔" جب یہ تین فقرے پڑھے۔ تو میں نے اعتراض کیا۔ کہ دیکھو! لکھا ہے۔ کہ ابتداء میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کلام علیحدہ چیز ہے۔ اور خدا الگ۔ پھر آگے لکھا ہے۔ کہ کلام خدا تھا۔ ان تینوں فقروں کے معنی ایک نہیں ہو سکتے۔ اس کا جواب پادریوں سے کچھ بن نہ آیا۔ اور ان کو بے حد ندامت ہوئی۔ پھر انہی دنوں ایک کتاب تکذیب براہین احمدیہ چھپی جس کی ایک متمول آریہ بہت اشاعت کر رہا تھا۔ اس میں اسلام پر سخت اعتراضات دیکھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت گالی گلوچ دے رکھی تھی۔ اس کو دیکھ کر خیال ہوا کہ اگر یہ سب اعتراض درست ہیں۔ تو اسلام کوئی چیز نہیں اور اگر اسلام سچا اور یہ اعتراض غلط ہیں۔ تو ہمیں قرآن مجید کے معنے نہیں آتے۔ آخر یہی خیال غالب ہوا۔ کہ قرآن مجید کے معنی ہمکو یاد نہیں لہذا خواہش ہوئی۔ کہ قرآن مجید کے صحیح معنوں کا علم حاصل کروں۔ اسوقت ہمارا یہ اعتقاد تھا۔ کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب (خلیفۃ المسیح اول) جیسے قرآن مجید کے معنے کوئی نہیں جانتا۔ اور خاصکر دوسرے مذاہب کے لوگوں کے اعتراضوں کے جواب دینے میں وہ بہت مہارت رکھتے ہیں پس اپنے والد بزرگوار (مخدوم محمد عثمان صاحب) سے اجازت لے کر میں جموں میں جناب مولوی صاحب مکرّم سے قرآن مجید پڑھنے گیا۔ اسوقت مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق سنا ہوا تھا۔ میرے ساتھ نہایت محبت اور خلوص کیساتھ پیش آئے۔ اور پڑھانا شروع کیا۔ میں نے ایک روز پوچھا۔ مرزا صاحب کے ساتھ آپ کو کس طرح محبت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا۔ ایک دفعہ ہتھیلی کے برابر ایک کاغذ کا ٹکڑا مجھے ملا۔ جس پر لکھا ہوا تھا۔ کہ میں نے (یعنی مشتہر نے) ایک کتاب بنائی ہے۔ یا بنا رہا ہوں جس میں اسلام کی تائید میں سینکڑوں دلائل دئے ہیں یا دونگا۔ جب یہ پڑھا۔ تو خیال آیا۔ کہ یہ کوئی عجیب ہی شخص ہوگا۔ جو سینکڑوں دلائل لکھ سکتا ہے۔ ملاقات کا ارادہ کیا۔ مشتہر کا نام و پتہ اشتہار کے نیچے لکھا ہوا تھا۔ یا کسی سے پوچھ لیا۔ چنانچہ بٹالہ سے واپسی کرائے پر ایک یکے پر سوار ہو کر میں قادیان پہنچا۔ پوچھا۔ کہ مرزا صاحب کا گھر کدھر ہے۔ ایک آدمی نے کہا۔ وہ ملنے کے لائق نہیں۔ اس کو ملنے کیوں جاتے ہیں۔ (اس کی مراد مرزا امام دین سے تھی) اس پر دوسرے عمر رسیدہ آدمی نے کہا۔ نہیں یہ مرزا غلام احمد صاحب (علیہ السلام) کو ملنا چاہتے ہونگے۔ حضرت صاحبؑ سے ملاقات ہوئی تھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ پھر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ "سیر کی آپ کو عادت ہے!" میں نے عرض کی سیر کی عادت تو ہے۔ مگر میں واپسی کرایہ پر بذریعہ سواری یکہ آیا ہوں۔ فرمایا "یکے کو چھوڑ دو" میں نے یکہ والا کو کہدیا۔ کہ میں نہیں جا سکتا۔ کرایہ واپسی کا اس کو دیا اور واپس کیا۔ جب سیر کو گئے۔ راستہ میں میں نے ایک خواب بیان کرکے حضرت اقدس سے عرض کی کہ اس کی تعبیر آپ سے پوچھتا ہوں۔ اس کے جواب میں حضرت اقدسؑ نے فرمایا

من ذرّہ ز آفتابم ؎ ہمہ از آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم ؎ کہ حدیث خواب گویم

کچھ دیر میں وہاں رہ کر واپس جموں آگیا۔ اسوقت حضرت اقدسؑ کا ابھی نہ مجددیت کا دعویٰ تھا۔ نہ مسیحیت کا صرف یہ دعویٰ تھا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ایک انسان کرامات دکھا سکتا ہے۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا متبع ہونیکی وجہ سے کرامات دکھاتا ہوں۔

پھر کچھ مدت بعد حضرت اقدسؑ کی چھوٹی چھوٹی کتابیں توضیح المرام وغیرہ اور پھر ازالہ اوہام شائع ہوئی۔ یہ کتابیں آپنے حضرت مولوی صاحب کو بھی ارسال کیں۔ ان میں مہدویت اور مسیحیت کا دعویٰ تھا۔ کہ میں ہی مسیح موعود ہوں۔ اور دجال کو قتل کرنا اور عیسائیت کچلنا میرا ہی کام ہے۔ آپنے اب بیعت کا بھی اعلان فرمایا۔ مولوی صاحب نے پڑھتے ہی آپکے دعویٰ کو قبول کیا حضرت اقدسؑ معہ مولوی عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹ تشریف لائے وہاں حضرت مولوی صاحب نے بیعت کی۔ مگر اپنے شاگردوں کو کبھی بیعت کیلئے مجبور نہ کیا۔ وہ تبلیغ کر دیا کرتے تھے۔ پھر جب قادیان میں ہی حضرت مولوی صاحبؓ مقیم تھے۔ میں ۱۸۹۴ء میں وہاں گیا۔ آپنے مجھ سے فرمایا۔ کہ حضرت اقدس کی بیعت کرلو میں نے کر لی۔ دل کو اطمینان تھا۔ کہ حضرت اقدسؑ سچے ہیں۔ میں نے کوئی نشان نہ طلب کیا۔ کوئی دلیل نہ مانگی۔ میں چالیس روز قادیان رہا۔ یہ اوائل کا زمانہ تھا۔ بہت تھوڑے آدمی حضرت اقدس کے پاس آتے تھے۔ اسوقت لوگ سب اکٹھے حضرت اقدسؑ کے ساتھ کھانا کھاتے۔ میں بھی اور مولوی عبدالکریم صاحب اور جناب مولوی صاحب ایک روز ایک آدمی نے وفات مسیح کے دلائل مجھ سے طلب کئے۔ جو مجھے یاد نہ تھے۔ تب خیال ہوا۔ کہ خود تو مجھے تسلی ہے مگر دوسروں کو جواب دینے کے لئے دلائل یاد ہونے چاہئیں۔ تب دلائل یاد کئے۔ پس میں نے اس طرح بیعت کی۔" پھر اس کے بعد فرمایا:—

"میں چھوٹا سا تھا جبکہ اپنے ایک ہم جماعت کیسا تھ بات کیا کرتا تھا۔ کہ کیا اچھا ہو اگر کوئی مسلمانوں میں بدعات اور شرک سے پاک بزرگ پیدا ہو۔ کیونکہ اسوقت اکثر پیر و فقیر لغو گانا سننے تک کے مرتکب تھے۔ اور میں فطرتاً اسکو بُرا سمجھتا تھا۔ پھر سنا کہ اُبھرے (دمشرق) کی طرف ایک بزرگ پیدا ہوا ہے۔ جو بہت مخلص بزرگ ہے جسکو مولوی محمد حسین بھی باوجود پکا وہابی ہونیکے ایسا ہی خیال کرتا ہے۔ اور میں ابھی بالکل بچہ ہی تھا۔ ابھی معلوم بھی نہ تھا کہ حضرت مولوی صاحبؓ سے قرآن مجید پڑھونگا۔ ایک روز میں مولوی صاحب کے پاس کوئی دوائی لینے گیا۔ وہاں میری موجودگی میں مولوی صاحبؓ سے ایک آدمی نے کہا۔ کہ سنا ہے اُبھرے (دمشرق) کی طرف ایک آدمی اٹھا ہے جو بہت بزرگ ہے۔ اور اشتہار بھی دیتا ہے۔ کیا آپنے اسکو دیکھا ہے؟۔ اسکے جواب میں جناب مولوی صاحب نے فرمایا۔ ہاں دیکھا ہے۔ عبد من عباد اللہ۔ صرف اتنا ہی جواب دیا۔" دو منٹ بعد فرمایا:—

"جناب مولوی صاحبؓ کے پاس قرآن مجید پڑھنے کیلئے جانے سے پہلے میں نے ایک خواب دیکھا۔ کہ میں زمین سے اوپر اوپر چلتا ہوں۔ اور میرا پاؤں زمین کو نہیں چھوتا۔ اور آسمان سے ایک رسا لٹک رہا ہے۔ اس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پکڑا ہوا ہے۔ اور ایک آواز آئی۔ اگر تم حدیث پر اس سے زیادہ عمل کروگے۔ تو تمہیں اور ترقی دینگے۔ پھر آنکھ کھل گئی۔ اسوقت سے مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنیکا بہت شوق تھا۔ اور میں ہر فعل کے متعلق احادیث حاصل کرنے کی تلاش میں رہتا تھا۔ جناب مولوی صاحبؓ سے میں نے یہ خواب بیان کی۔ کہ رستے کو پکڑنا قرآن کریم کو پکڑنا ہے۔ یعنی تم قرآن مجید پڑھو گے۔ قرآن مجید کو اللہ تعالےٰ نے بھی حبل المتین فرمایا ہے۔"

فضل احمد احمدی انگلش ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا
بقلم خود

24/2/23 - جب مندرجہ بالا تحریر جناب مخدوم مکرم کو سنادی تو آپ نے مندرجہ ذیل فرمایا:—

"جب میں نے حضرت مولوی صاحبؓ مکرم سے قرآن مجید پڑھا۔ تو تمام اعتراضوں کے جواب آگئے۔ اور تکذیب وغیرہ سب بیہودہ کتابیں معلوم ہونے لگیں۔ اور اب خدا کے فضل و رحم سے میری یہ حالت ہے۔ کہ جب کوئی مخالف اسلام پر اعتراض کرتا ہے۔ تو اس کا جواب خدا مجھے سکھا ہی دیتا ہے۔"

میں نے مندرجہ بالا تحریر سُن لی ہے۔ اور میں اس کی تصدیق کر رہا ہوں۔

خاکسار
مخدوم محمد صدیق۔ بھیرہ۔ ضلع شاہ پور
۲۴ فروری ۱۹۲۳ء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟

(۱)

مَیں گذشتہ سال جب حیدر آباد علاج کیلئے گیا تھا۔ میری غیر حاضری میں کسی دوست نے اس موضوع پر ایک عالمانہ مضمون لکھ کر "الحکم" کو بھیجا۔ چونکہ انہوں نے اس پر اپنے دستخط ثبت نہیں کئے۔ اسلئے مَیں معلوم نہ کر سکا۔ کہ یہ مضمون کِس دوست نے لکھا ہے۔ اور اس انتظار میں رہا۔ کہ وہ صاحب کبھی دریافت کریں۔ کہ مَیں نے مضمون نکھو کر دیا تھا۔ اُس کا کیا ہُوا۔ مگر کسی نے دریافت بھی نہ کیا۔ چونکہ مضمون لطیف اور عالمانہ ہے مَیں اُسے مصنف کے نام بغیر ہی شائع کرتا ہوں جن بے مضمون نویس صاحب کی نظر سے یہ مضمون گذرے۔ تو وہ اُسے دیکھ کر اپنے نام سے آگاہ فرما دیں۔ بہر حال جب مضمون نویس صاحب کا اسم گرامی معلوم ہوگا۔ مَیں اُسکا اعلان کردونگا۔ سر دست چند نمبروں میں یہ مضمون مسلسل شائع کرتا رہونگا۔

(ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

افمن اتبع رضوان اللہ کمن باء بسخط من اللہ وما واہ جہنم وبئس المصیر۔ ھم درجات عند اللہ واللہ بصیر بما یعملون لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہٖ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین (پ ۴ ع ۸)

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟"

یہ مسئلہ فی الحقیقت بہت ضروری اور اہم مسئلہ ہے۔ ہمارے دیگر تمام مسائل اِسی ایک مسئلہ کے گرد گھومتے اور اسی کی خدمت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کریں۔ یا اجرائے نبوت۔ ختم نبوت کی حقیقت آشکارا کریں یا صداقت مسیح موعود علیہ السلام۔ ان تمام مسائل پر سیر کن بحث کر چکنے اور ان کو ثابت کر چکنے کے بعد بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے۔ کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے اور اس بات کو مان بھی لیا جائے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ نبوت سچا ہے۔ تو کسی شخص کو کیا ضرورت مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ ان تمام باتوں کو مان لینے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان بھی لائے۔ اور آپ کی بیعت میں شامل ہو۔

معزز ناظرین! ایک طرف اس سوال کو مدنظر رکھیئے اور دوسری طرف جماعت احمدیہ کی جد و جہد کو دیکھیئے۔ کہ کس طرح وہ اپنی مالی۔ جانی۔ لسانی۔ فعلی۔ وقتی غرض ہر قسم کی قربانی کرتے ہوئے اسی دھن میں سرشار نظر آتے ہیں۔ کہ کسی طرح دنیا کا ہر فرد گورا ہو کہ کالا۔ ہندو ہو یا عیسائی۔ یہودی ہو کہ مجوسی۔ ہندوستانی ہو کہ جاپانی، افریقی ہو کہ امریکی۔ لنڈنی ہو کہ روسی۔ نئی دنیا کا باشندہ ہو کہ پرانی دنیا میں بسنے والا خشکی میں رہنے والا ہو یا تری میں۔ غرض خواہ کوئی ہو۔ اور کسی بھی جگہ کا اور کسی تہذیب کا انسان کیوں نہ ہو۔ اسکو ضرور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لاکر آپ کی بیعت کرنی چاہیئے۔

انسان تو انسان ہم تو مصمم ارادہ کرکے اُٹھے ہیں۔ کہ ہم ہرگز چین نہیں لیں گے ہمکو ہرگز کسی راحت کا خیال نہیں آئیگا۔ ہماری قوتیں اور ہماری طاقتیں ہرگز مضمحل نہیں ہونگی۔ جبتک ہم شقی ازلی راندۂ درگاہِ ایزدی۔ عدو آدم و نسل آدم شیطان الرجیم پر روحانی فتح حاصل نہ کر لیں۔ اور اس کو اس آخری زمانہ کی آخری جنگ میں اس زمانہ کے آدمِ ثانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اطاعت کا اقرار کراتے ہوئے خدا تعالیٰ کے سامنے سربسجود نہ دیکھ لیں۔

ہماری اِن انتھک کوششوں اور ملبند ہمتوں کے پیش نظر یہ سوال اور بھی اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ کہ آخر ایسی کونسی اشد ضرورت ہے

جس کے پیش نظر کسی کو حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان لاکر حضورؑ کی بیعت کا شرف حاصل کرنا ضروری ہے۔

مختصر جواب

اس نہایت ہی اہم اور ضروری سوال کا مفصل جواب پیش کرنے سے قبل گذارش کرتا ہوں۔ کہ اس کا نہایت مختصر اور سادے الفاظ میں تو یہ جواب ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ چونکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے نبی اور رسول ہونے کا ہے۔ اور مدعی نبوّت پر ایمان لانا ہر مذہبی جماعت کے نزدیک ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر مذہبی جماعت کا قیام کسی نہ کسی نبی پر ایمان لانے کی صورت میں ہی ہُوا ہے۔

رہا یہ سوال۔ کہ کسی بھی مدعیٔ نبوت پر ایمان لانا کیوں ضروری ہوتا ہے" سواس کا مختصر جواب مسلمانوں کے لئے تو یہ ہے۔ کہ

عـ۱ نبی پر ایمان لانا اس لئے ضروری ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا حکم ہے۔ کہ نبی پر ایمان لاؤ۔ جیسے فرمایا۔ اٰمنوا باللہ ورسولہ وان تؤمنوا وتتقوا فلکم اجر عظیم (سورۃ آل عمران ع ۱۹) یعنی ایمان لاؤ اللہ پر۔ اور ایمان لاؤ اس کے ہر رسول پر۔ اور ایمان لانے کی مختصر اور جامع الفاظ میں ضرورت بھی بتادی جس کی تفسیر انشاء اللہ آگے چلکر بتائیں گے۔

عـ۲ انبیاء پر ایمان لانا اس لئے بھی ضروری ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے عوام کے علاوہ اپنے انبیاء کرام کو حکم دیا ہے۔ کہ وہ دوسرے انبیاء پر ایمان لائیں۔ جیسے فرمایا۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیتے ہوئے کہا۔ کہ میں نے جب تم کو کتاب اور حکمت دی ہے۔ تو اب جو نبی آئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد بھی کرنا۔

تو جب اللہ تعالےٰ نے نبیوں کا دیگر نبیوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے تو عام لوگوں کے لئے نبی پر ایمان لانا تو بہت ضروری ہُوا۔

ضمنی بات　میں اسجگہ ضمناً یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ اس آیت کریمہ سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ تمام نبیوں کو ایک دوسرے نبی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ کسی نبی کی آمد پر ایمان لانا اس صورت میں مفید ہوگا۔ جب اس موعود نبی کی بعثت کے وقت بھی اس پر ایمان لایا جاوے۔ اور اگر کسی موعود نبی کی آمد کے وقت اس کا انکار کر دیا جاوے۔ تو پہلا ایمان جو محض پیشگوئی پر تھا۔ وہ قابلِ قبول نہ ہوگا۔ جیسے اس آیت کے آخر میں فمن تولّٰی بعد ذالک فاولٰئک ھم الفاسقون سے ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسری جگہ پر اس حقیقت کو قرآنِ حکیم نے نہایت واضح الفاظ میں آشکارا کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ شھد شاھد من بنی اسرائیل علیٰ مثلہٖ فاٰمن واستکبرتم۔ یعنی اے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مثیل حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی بشارت دی تھی۔ اور جب ان کو آنحضرت صلعم کی بعثت کی ہم نے خبر دی۔ تو وہ اُسی وقت آپ پر ایمان لے آئے۔ اور اِسی ایمان پر فوت ہو گئے۔ کہ دنیا کا سردار آئیگا۔ اور اے موسیٰ کی قوم! تو بھی آپ کی پیشگوئیوں پر ایمان لائی اور اس انتظار میں لگ گئی۔ کہ کب وہ موعود رسول یعنی (حضرت محمدؐ رسول صلعم) تشریف لاتے ہیں۔ مگر اے بدقسمت قوم موسیٰ! ہمیں افسوس! کہ جب قوموں کا فخر اور نبیوں کا سردار موعودِ موسیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم تشریف لائے۔ تو تم نے از راہِ تکبّر اور استکبار آپ کا انکار کرکے خدا تعالیٰ کی رحمتوں کی بجائے اس کا غضب خرید لیا۔ جیسے فرمایا۔ ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباؤ بغضب من اللہ الخ العذاب تمہارے اس ایمان کی بھی کوئی قدر نہیں۔ جو تم آپ کی بعثت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق لا چکے تھے۔

عـ۳ نبی پر ایمان لانا اس لئے بھی ضروری ہے۔ کہ جو ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیگر انبیاء پر ایمان لائے تھے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پاک کلام کے ذریعہ اس کی شہادت دیتا ہُوا فرماتا ہے۔ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون۔ کل اٰمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ یعنی اللہ تعالےٰ کے خاص نبی یا محرمِ راز نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت پر ایمان لانے کے علاوہ باقی تمام نبیوں پر بھی ایمان لائے تھے۔

"تمام نبیوں کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانا"

اس بات کا مختصر ذکر کرنے کے بعد کہ تمام نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے مَیں خاص طور پر اس بات کو بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی دیگر انبیاء کی طرح ایمان لانا ضروری ہے۔ کیونکہ

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر سب انبیاء ایمان لائے تھے۔ میں شروع میں بتا چکا ہوں۔ کہ جب کوئی نبی کسی نبی کے متعلق پیشگوئی کرتا ہے۔ تو وہ اس کا سب سے پہلے مومن ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال دیکر بتا چکا ہوں کہ شھد شاھد من بنی اسرائیل علیٰ مثلہٖ فاٰمن۔ یعنی حضرت موسیٰؑ نے اپنے مثیل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی جب پیشگوئی فرمائی تھی۔ تو اسوقت وہ آپ پر ایمان لے آئے تھے۔ اسی نظریہ کے پیش نظر جب ہم غور کرتے ہیں۔ تو ہم کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق اپنے اپنے وقت میں پیشگوئیاں کرکے آپ پر ایمان لائے تھے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلعم کے اس فرمان سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے حضورؐ فرماتے ہیں ما بعث اللہ من نبی الا انذر امتہٗ انذرہٗ نوح والنبیون من بعدہٖ (بخاری جلد سوم باب حجۃ الوداع) پھر فرماتے ہیں۔ ذکر الدجال فقال انی لانذرکموہ وما من نبی الا وقد انذرہ قومہ۔

یعنی جہاں ہر نبی نے اپنی اپنی قوم کو بتایا تھا۔ کہ دجالی فتنہ ایک بہت بڑا اور اہم فتنہ ہے۔ اس سے بچتے رہنا وہاں میں بھی اپنی امت کو اس عظیم الشان فتنہ سے آگاہ کرتا اس سے بچنے کی تاکید کرتا ہوں

(باقی آئندہ)

سوانح حیات حضرت حکیم مولوی عبیداللہ صاحب بسمل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

احمدیت پر استقامت کا ایک ایمان افروز واقعہ اور شادیوں کی تفصیل

(۶)

از جناب مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل"

میرے طایا صاحب کی لڑکی کی لڑکی میرے گھر تھی۔ جب وہ فوت ہو گئی۔ تو میری والدہ صاحبہ نے میری شادی بچی پیر صاحب مخدومی کشمیری جو امرتسر میں آگئے تھے اُن کی بڑی سے چھوٹی لڑکی کے ساتھ کر دی۔ اُس کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جو جوان اور صاحب اولاد ہو کر مر گئی۔ دو بچے اور تین لڑکیاں چھوڑ گئی۔ اُس لڑکی کے مرنے کے بعد اس کی والدہ کو ایک بچہ ہوا جو بصورت اسقاط ضائع ہو گیا۔ اس کے اسقاط کے بعد میری بیوی کو نطوء الرحم کا مرض ہو گیا۔ جس کی وجہ سے وہ فرض زوجیت ادا کرنے کے ناقابل ہو گئی۔ اس کی بہنوں میں سے ایک بہن منشی مہدی خاں وزیر اعظم ریاست بہاولپور کے گھر میں تھی۔ دوسری بہن سید محمد امیر آنریری مجسٹریٹ لاہور کے گھر تھی۔ تیسری بہن ایک مالدار ٹھیکیدار شیخ احمد دین لاہور کے گھر میں تھی۔ تینوں بہنوں نے اتفاق کر کے اپنی بہن کو جو میری بیوی تھی۔ اپنے پاس رکھنا مناسب سمجھا۔ کیونکہ لیڈی ڈاکٹر لاہور نے یہ رائے دی تھی۔ کہ اول تو یہ فرض زوجیت ادا کرنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ اور اگر اپنے شوہر کے پاس جائیگی۔ تو ضرور بیمار ہو جائیگی۔ اور لاعلاج ہو کر مر جائیگی۔ اسواسطے اس کو شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں۔ میرے ہمزلف احمد دین ٹھیکیدار اور سید محمد امیر مجسٹریٹ نے باہمی فیصلہ کیا کہ دباؤ ڈال کر عبیداللہ سے مہر وصول کر لیا جائے۔ کیونکہ ہماری سالی کا تعلق اب عبیداللہ کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔ اور گر قائم رہے تو خطرہ جان کا ہے۔ انہوں نے بوساطت خان محمد شاہ آنریری مجسٹریٹ امرتسر مہر کا مطالبہ کیا۔ اور ایک مکان سکنہ میری بیوی کے نام لکھوا لیا۔ اور مہر وصول کرنے کے بعد کہدیا۔ کہ خواہ اس کو طلاق دو۔ خواہ اس کو اپنی بیوی سمجھو یا نہ سمجھو۔ مگر یہ تمہارے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ آج (۱۹۳۳ء) تک وہ بقید حیات اپنی بہنوں کے پاس ہے۔ میں نے ہر چند مصالحت کی کوشش کی۔ لیکن بجز اس کے کہ میں جاؤں۔ اور ان سے بہنوئیوں کے گھر میں بات چیت ہو جائے۔ اور کسی قسم کا تعلق نہیں رہا۔ میری والدہ صاحبہ نے جب گھر اُجڑا دیکھا۔ تو ایک غلامی خاں پٹھان امرتسر کی لڑکی سے میری شادی کی۔ یہ عجیب واقعہ پیش آیا۔ کہ وہ اپنے والدین کے گھر سے تپ دق ساتھ لائی۔ بجز ایک شب کے اس کی ملاقات مجھ کو کوئی نصیب نہیں ہوئی۔ شادی کے دوسرے دن وہ ایسی بیمار اور تپ دق میں مبتلا ہوئی کہ چھ مہینے بیمار رہ کر راہیٔ آخرت ہو گئی۔ میری والدہ اس کے چھ مہینے کے بعد فوت ہو گئیں۔ میں یک بینی و گوش خانہ بردوش رہ گیا۔ میں اپنی پہلی بیوی کے پاس گیا۔ اور جا کر ان سے کہا۔ کہ اب تم مجھ سے علیحدہ ہو چکیں۔ مہر وصول کر لیا۔ میں اب وطن سے بے وطن ہوتا ہوں۔ وہ آب دیدہ ہو کر کہنے لگیں۔ کہ میں بھی اس میں بے بس ہوں۔ میں آپ کے قابل نہیں۔ میں نے امرتسر سے دل اٹھا لیا۔ اور کراچی پہنچا۔ کراچی میں کپتان وائٹ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھ کو اپنی فارسی تعلیم کے لئے مقرر کیا۔ میں ایک سال بھر ان کے ساتھ رہا۔ جب وہ ولایت کو جانے لگے۔ تو مجھکو جرنیل عظیم الدین خان مدار المہام ریاست رامپور کی طرف چٹھی لکھدی۔ میں نے وہاں (یعنی رامپور میں) ایک سیدوں کے گھر شادی کی۔ جس سے مظہر اللہ لڑکا اسوقت مردان میں ہے۔ اتفاقاً اس کے کولھے پر پھوڑا نکلا۔ ان دنوں تمام ہندوستان بھر میں طاعون پھیلی ہوئی تھی۔ چھ مہینے تک وہ بڑھتا رہا۔ آخر بہت سی علاج کے بعد وہ پھوٹا۔ اور قریباً ایک گھڑا بھر پیپ اسمیں سے نکلی۔ اس کا بھائی حکیم حشمت علی اس کو لاہور لے کر آیا۔ زنانہ میو ہسپتال میں ایک سال بھر سے زیادہ عرصہ بیمار رہ کر فوت ہو گئی۔ مجھکو اب خانہ داری کی پھر ضرورت پیش آئی۔ میرے پاس رامپور میں ایک شخص مظفر خان آیا۔ جو نگینہ سازی کا کام کرتا تھا۔ مجھے کہنے لگا کہ میری سالی کی لڑکی نوجوان ہے۔ آپ کا کوئی خرچ نہیں آئیگا۔ آپ کی شرافت کو ہم برسوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس واسطے میں آپ کے پاس خود آیا ہوں۔ آپ اگر نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ تو میں کرا دیتا ہوں۔ میں نے اُس سے نکاح کر لیا جس سے ایک لڑکا اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ پھر میں بوجہ ایک سکنی زمین کے تنازع کے رامپور سے امرتسر آیا۔ وہ بچے اور بیوی میرے ساتھ تھے اور یہ ارادہ کیا کہ اب میں رامپور نہیں جاؤنگا۔ قادیان میں پرشین ہیڈ ٹیچری پر کام کرنے لگا۔ میرے رامپور سے علیحدہ ہونے کے بعد میری بیوی کی خالہ کی ایک نوجوان لڑکی سے نواب صاحب نے عقد کر لیا۔ نواب صاحب رامپور کے پاس جب ادج المطالب پہنچ چکی۔ تو چونکہ نواب صاحب بچپن سے خاکسار کی گود میں پلے تھے۔ انہوں نے مجھ کو شیعہ سمجھ کر اپنے نانا نواب عنایت حسن خاں کے ذریعہ جو مجھ سے فارسی پڑھا کرتے تھے۔ ولیعہد بہادر کی اتالیقی کے لئے بلا بھیجا۔ میں اپنے اہل و عیال کو قادیان میں چھوڑ کر رامپور گیا۔ کیونکہ میرا ارادہ قادیان کو چھوڑنے کا نہ تھا۔ نواب صاحب نے بجائے اس کے کہ میری سابقہ ملازمت کتب خانہ کی رجسٹراری پر مامور فرماتے۔ مدرسہ رامپور کی عربک ہیڈ ٹیچری پر مامور کیا چونکہ شیعہ مذہب سے میرے مباحثات شروع ہو چکے تھے۔ اور شیعہ مذہب کے پیروؤں نے میرے برخلاف زہر اگلنا شروع کر دیا تھا۔ اور نواب صاحب بھی بباعث مباحثات کے مجھ پر کبیدہ ہو گئے تھے۔ اس لئے نواب صاحب کی اُس بیوی نے جو میری بیوی کی خالہ کے بطن سے تھی۔ نواب صاحب پر اندرونی طور پر زور دیا۔ کہ میری بہن کو بلوا دیں۔ اور نواب صاحب مجھ کو وقتاً فوقتاً انتھاسیاں کی معرفت اور چھٹن صاحب کی معرفت کہلا بھیجتے تھے۔ کہ گھر کے لوگوں کو کیوں نہیں لاتا۔ میں ریاست کا رنگ دیکھ کر قادیان سے اپنے گھر بار کا اٹھانا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ اور نواب صاحب کو امروز فردا کہکر پیچھا چھڑاتا تھا۔ اسی اثناء میں پنڈت موہن لال باشندہ قادیان کا بیٹا بابو رام ریاست اجے گڑھ سے میرے پاس پہنچا۔ (کیونکہ میں پنڈت موہن لال کی لڑکی کا علاج کر چکا تھا اور پنڈت موہن لال اُن دنوں وساوا سنگھ ناظم اجے گڑھ کے پاس رہتے تھے۔ اور وساوا سنگھ کی بھتیجی بیمار ہو چکی تھی اسواسطے حسب فہمائش وساوا سنگھ اپنا لڑکا بھیجکر مجھ کو علاج کے لئے بلوایا۔ اور میں اس کے ساتھ اجے گڑھ کو بحصول رخصت چلا گیا۔) وہاں اجے گڑھ میں مجھ کو تین مہینے ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ میں ابھی اجے گڑھ میں ہی تھا۔ کہ نواب صاحب نے موقعہ پا کر میری بیوی کے ماموں نظیر خان کو قادیان بھیج کر معہ بچوں کے اُسے رامپور بلوا لیا۔ میں نے اجے گڑھ سے سو روپیہ کا منی آرڈر قادیان اپنی بیوی کی طرف بھیجا۔ اور اجے گڑھ میں ہی وہ روپیہ مجھکو واپس ملا۔ کہ مکتوب الیہ یہاں نہیں ہے۔ راجہ صاحب اجے گڑھ کو گھٹنوں کے درد کی بیماری تھی۔ میں نے علاج شروع کیا ہوا تھا۔ میں نے راجہ صاحب سے رخصت طلب کی۔ راجہ صاحب چھوڑتے نہیں تھے۔ کیونکہ ان کو کچھ افاقہ ہو رہا تھا۔ لیکن میں روپے کے واپس ملتے ہی بہت بے چین ہو گیا۔ اور رامپور کی طرف روانہ ہوا۔ رامپور پہنچتے ہی مجھ کو معلوم ہوا۔ کہ نظیر خان جا کر میری بیوی کو قادیان سے معہ بچوں کے اٹھا لایا ہے۔ میں نظیر خان کے مکان پر گیا۔ تو وہاں اسکا بڑا بھائی نجبن خان مجھ سے ملا اور کہنے لگا کہ ہاں تمہاری بیوی آگئی ہے۔ اور نواب صاحب کے محل سرائے میں ہے۔ اپنی بہن کے پاس اور ساتھ ہی مجھ کو یہ بھی کہا۔ کہ تم لامذہب ہو۔ ہماری بھانجی کا نکاح تم سے کب رہا۔ یہ سن کر میرے حواس باختہ ہو گئے۔ لیکن مجبوراً سنگ آمد سخت آمد کہکر خاموشی اختیار کی۔ اُسوقت رامپور میں میرا کوئی پرساں حال نہ تھا۔ کبھی یہ دل چاہتا تھا۔ کہ ملازمت ترک کر کے چلا جاؤں۔ پھر یہ خیال آتا تھا۔ کہ نہیں صبر کرنا چاہیئے۔ اور کوئی تدبیر سوچنی چاہیئے۔ بڑے دنوں کی سوزش کے بعد توبہ و استغفار کرتے کرتے خیال آیا کہ یہ پریشانی رفع نہیں ہو سکتی۔ اس کا علاج یہی ہے۔ کہ بازاروں میں روٹی کھانے

اور بیمار پڑنے کی بجائے کسی جگہ عقد کر لیا جائے۔ شائد اِس وجہ سے غم غلط ہو۔ ایک ماما خدمتگار کو رکھ لیا۔ وہ روٹی پکایا کرتی تھی۔ اُس نے مجھ کو خاموش پا کر کہا۔ میاں تمہاری بیوی ہے یا نہیں۔ مَیں نے کہا۔ تھی تو سہی۔ شائد اس کو کچھ حال معلوم تھا۔ مَیں نے کہا۔ یہ حالت ہے۔ اس نے کہا۔ مَیں شریفوں کے ہاں تمہاری شادی کرا دیتی ہوں۔ اس نے جاکر ملّا حمید شاہ خاں سے ذکر کیا۔ کہ تمہاری بہن بیوہ ہو چکی ہو دو بچے رکھتی ہے۔ بہتر ہے۔ کہ تم اس کی فلاں جگہ شادی کر دو۔ انہوں نے کچھ آر سے بلے کیا۔ اس نے آگے کہا۔ کہ وہاں تو کچھ دال گلتی نہیں ہے۔ لیکن مَیں ایک اَور جگہ تجویز کرتی ہوں۔ اُس نے مولوی حامد شاہ خان صاحب مولوی محمد شاہ صاحب محدث کے بیٹے سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ وہ تو غیر مذہب والا ہے۔ ان کو لڑکی کون دیگا۔ میرے دوست ہیں مَیں ان کو خوب جانتا ہوں۔ ہاں اگر کرنا چاہتے ہیں۔ تو صدّن خاں کی بیوہ بھانجی سے کریں۔ آدمی شریف ہیں۔ مَیں نے کہا۔ مولوی صاحب نے تجویز کی ہے۔ تو اچھی جگہ ہوگی۔ کیونکہ دوست ہیں۔ شادی کر لی۔ میری قسمت سے وہ ایک ٹانگ کی لنگڑی۔ ایک ہاتھ رہا ہؤا۔ چلنے پھرنے سے معذور لٹھیا لے کر چلے ؛ ورنہ وہ بھی گر پڑے۔ لیکن شکل وصورت نہایت پاکیزہ جیسے کہ ہاتھی دانت کی مورت ہوتی ہے۔ وہ بیچاری گھر میں آئی تو دل بجھ گیا۔ کہ الٹی خدمت کرنی پڑیگی۔ لیکن خدا نے اس سے نرینہ اولاد دی۔ بعد اس کے ملّا حمید شاہ خاں میرے پاس آیا۔ چونکہ اس کے والد ماجد احمد شاہ خانصاحب سے میری ملاقات تھی۔ وہ اکثر مجھ کو اپنے گھر میں لے جاتے تھے۔ اور دعوت کیا کرتے تھے۔ اور حضرت اقدسؑ کی باتیں سنا کرتے تھے قریب تھا۔ کہ وہ احمدی ہو جاتے۔ مگر قضا نے ان کو مہلت نہ دی۔ اُن کے فرزند ملّا حمید شاہ خان تھے۔ جن کی ہمشیرہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ اور دو بچے صغیر رکھتی تھیں اور کسی قدر خواندہ بھی تھیں انہوں نے مجھکو اس سے نکاح پر مجبور کیا۔ چونکہ میں پہلی بیوی کی خدمت سے اکتایا ہؤا تھا۔ مَیں راضی ہو گیا۔ مگر ملّا حمید شاہ خان کو کہا۔ کہ اپنی بہن کو کہدو۔ کہ میں حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا قائل ہوں جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ مجھ کو بُرا جانتے اور بُرا کہتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا۔ جبکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو چکے ہیں۔ ہم اُن کا وفات نامہ پڑھتے ہیں تو ہمارے نزدیک تمام نبی فوت ہو چکے ہیں۔ ہیں حضرت عیسیٰؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں جانتی ہیں۔ پھر خود عقل نہیں کہتی۔ کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر ہیں۔ مَیں نے یہ بات سن کر قیاس کر لیا۔ کہ احمدیت قبول کرنیکا مادہ اس میں موجود ہے، نکاح ہو گیا۔ نکاح کے چند دن بعد مجھے خبر ملی۔ کہ وہ عورت بچوں والی جو نواب صاحب کے گھر میں تھی۔ پانچ سال رہکر کے بعد مر گئی ہے۔ اور بچوں کو اس کا ماموں نظیر خاں اپنے مکان پر لے آیا ہے (اس پانچ سال کے عرصہ میں نواب صاحب نے مجھے بیوی اور بچوں کی شکل تک نہ دکھائی۔ کبھی دربار میں بلاتے تو نظر نہ ملاتے۔ سمجھتے کہ یہ خارجی ہے۔ صرف احمدیت ہی وجہ نہ تھی۔ بلکہ شیعیت سے عناد بھی اسکا باعث تھا۔) نظیر خاں ایک مقدمہ میں ماخوذ ہو گیا ہے۔ بچے اس کے بھائی نجّن خاں کے زیرنگرانی ہیں۔ مَیں نے جاکے نجّن خاں کے بہنوئی منوّر خاں سے نہایت منت اور سماجت سے کہا۔ کہ یہ بچے مجھکو دلا دو۔ اس نے جواب دیا۔ کہ بغیر نواب صاحب کے حکم کے ہم تم کو ان کی صورت بھی نہیں دکھا سکتے۔ یہاں علماء اور عوام تم کو لامذہب کہتے ہیں۔ تم بھنگیوں سے بدتر ہو۔ ہم کسطرح ان بچوں کو تمہارے حوالے کر کے عیسائی بنا دیں۔ کیونکہ تم اور عیسائی ایک ہو۔ مَیں یہ سخت جواب سن کر مایوس ہو کر چلا آیا۔ میرا چہرہ سخت اُترا ہؤا تھا۔ میری بیوی نے میرے سامنے کھانا رکھا۔ مَیں نے کہا۔ کہ میری طبیعت نہیں چاہتی۔ کہ مَیں کھاؤں۔ اُس نے سبب پوچھا۔ مَیں نے اس کی ضد پر سبب بتایا۔ اس نے کہا۔ کہ مَیں اس کی ایک تدبیر کرتی ہوں۔ میری دوسری بیوی کو بلا کر کہا۔ کہ تمہارے ماموں کا داماد حسن خاں اگر آئے۔ تو میرے پاس بھیج دینا۔ بلکہ ہو سکے تو اس کو بلا بھیجو۔ اُس نے اپنے بہنوئی کو جو اسوقت اتفاق سے آیا ہؤا تھا کہا کہ حسن خاں کو جاکر بلا لاؤ۔ مغرب کے بعد حسن خاں میرے مکان پر آیا۔ حسن خاں کو جو ہمارے گھر سے دو میل کے فاصلے پر رہتا تھا۔ کہا۔ کہ نجّن خاں سے تمہاری ملاقات ہے، تم کسی تقریب سے اس کے گھر کے لوگوں کی دعوت کرو۔ اور میرا تمام قصہ کہہ سنایا۔ وہ کہنے لگا۔ قصہ تو مجھ کو معلوم ہے۔ مگر نواب صاحب کا اس میں پاؤں ہے۔ مجھ پر کوئی آفت نہ آجائے۔ دوم اس میں خرچ کی ضرورت ہے۔ جو تدبیر میں بتاؤں اس طرح سے کیا جائے تو ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مَیں اب اپنے دونوں بیٹوں کا ختنہ کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میرے پاس سرمایہ نہیں ہے۔ مولوی صاحب اپنے ذمہ لیں۔ تو اس طریقہ سے مَیں نجّن خاں کے گھر کے لوگوں کو بلاؤں۔ اس پر پچاس روپے صرف ہونگے۔ مَیں نے کہا۔ یہ تو بہت خرچ ہے۔ لیکن اس نے کہا۔ کہ اس سے کم نہیں ہوگا۔ دس پندرہ روپے تو میں خرچ کرونگا اور باقی اپنی ضرورت میں لاؤنگا میں نے خیال کیا۔ کہ یہ بات اب ظاہر ہو گئی ہے۔ اگر اسکا کہنا نہ مانا تو یہ بھی دشمن ہو جائیگا۔ لہٰذا بہتر ہے۔ کہ پچاس روپے خرچ کر کے اپنا مطلب حاصل کر لیا جائے۔ مگر شرط یہ ٹھہری۔ کہ جسوقت میں بچوں پر قابو پا لوں۔ اُسوقت روپیہ دیا جائے۔ اُس نے کہا۔ کہ پندرہ روپے تو بالفعل کھانے وغیرہ کے لئے دیدیئے جائیں۔ تاکہ مَیں سامان کروں۔ مَیں نے اس کو بازار سے سامان ایک دیگ کا لے دیا۔ اور اس نے اپنے بچوں کے ختنے کا اعلان کیا۔ چونکہ نجّن خاں کے ساتھ اس کا تعارف تھا۔ اس کی بیوی اور بچوں کو مدعو کیا۔ اُن میں سے چھوٹی بچی کہیں گاؤں میں انہوں نے اپنے کسی رشتہ دار کے پاس چند یوم کیلئے بھیجی ہوئی تھی جسکی عمر کوئی چھ سال کی تھی۔ بڑی کی نو سال اور اس سے بڑی کی گیارہ سال کی عمر تھی۔ اور لڑکا قریبًا تیرہ سال کا تھا۔ نجّن خاں کی بیوی ان بچوں کو لے کر حسن خاں کے مکان پر رات کے وقت پہنچ گئیں۔ چونکہ برقعہ کا رواج رامپور میں نہیں ہے۔ (وہاں مستورات ڈولیوں میں بیٹھ کر جاتی ہیں) ٹانگے میں بیٹھ کر نجّن خاں کے گھر کے لوگ آئے۔ کھانا کھا کے جسوقت سوار ہونے لگے۔ تو گلی کی نکڑ پر مَیں نے اپنے دو ٹانگے پہلے سے کرایہ پر لے رکھے تھے۔ ایک میں میری بیوی بیٹھی ہوئی تھی۔ جب وہ ٹانگے میں سوار ہو کر چلے۔ تو رات کا اچھا حصّہ جا چکا تھا۔ مَیں نے تمام بچوں کو سوائے اس لڑکے کے جو اسوقت موجود نہیں تھا اور چھوٹی لڑکی کے زبردستی اپنے ٹانگے میں بٹھا لیا۔ نجّن خاں کی بیوی واویلا کرتی رہی۔ اور اس کی ساتھ والیاں بھی۔ لڑکیوں کو اپنی بیوی کے ساتھ اور آپ اور بڑا لڑکا مظہر اللہ دوسرے ٹانگے میں بیٹھ کر اپنے مکان پر پہنچے۔ نجّن خاں کی بیوی وہاں سے روتی چلاتی نواب صاحب کے پاس پہنچی۔ نواب صاحب نے اسوقت ان کو جواب دیدیا۔ کہ اچھا ہؤا۔ اپنی اولاد لے گیا ہے۔ ورنہ لڑائی ہوتی۔ تم پیچھا مت کرو۔ لیکن ظاہر تو یہ کہا۔ اور باطن میں غصہ سے بھر گئے مَیں نے نواب دولہا (نواب صاحب کے داماد) سے تمام ماجرا بیان کیا۔ چونکہ وہ پوشیدہ سنی المذہب تھے۔ اور پہلے ہی سے نواب صاحب کی حرکت پر کف افسوس ملتے تھے۔ لیکن کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے کہا میرے نزدیک بہتر ہے کہ نجّن خاں کے ساتھ مصالحت کر لی جائے۔ چنانچہ انہوں نے مولوی الٰہی بخش مرجان رقم کے بیٹے غفران سے جو نجّن خان کے ساتھ نہایت ساز باز رکھتا تھا۔ اور نجّن خاں سے گفتگو شروع کی۔ نجّن خاں بظاہر تو یہ نہ کہہ سکا۔ کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں کسی زبردست ایماء سے کر رہے ہیں۔ البتہ اس نے اپنے افلاس کا حال بیان کیا۔ غفران نے کہا۔ کہ مَیں سو روپیہ تم کو دلا دیتا ہوں اُس نے آکر نواب دولہا سے ذکر کیا۔ کہ سو روپیہ پر فیصلہ ہوتا ہے۔ چھوٹی لڑکی بھی دیدیتے ہیں۔ نواب دولھا نے مجھ سے جب یہ کہا۔ تو مَیں نے کہا۔ کہ مَیں زیادہ سے زیادہ پچاس روپے دے سکتا ہوں۔ اور مَیں قرض کہاں سے لے سکتا ہوں۔ ہاں اگر آپ ضامن ہو جائیں تو تھوڑے دنوں کے بعد دیدونگا۔ نواب دولہا صاحب نے پچاس روپے اپنے پاس سے دیئے۔ وہ لڑکی بھی اور لڑکا بھی مجھ کو مل گئے۔ اور نواب دولہا صاحب نے نجّن خاں سے لکھوا لیا۔ کہ آئندہ کوئی ایسی حرکت نہیں کی جائیگی۔ اور ہمارا کوئی دعویٰ نہیں۔ اور نواب صاحب سے عرض کر دیا۔ کہ اس طرح دونوں کی مصالحت کرا دی ہے۔ نواب صاحب بولے۔ بہت اچھا کیا۔ بہت اچھا کیا۔ بہت اچھا کیا۔ تین دفعہ کہا۔ اس کے چند دنوں کے بعد مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا وعظ ہؤا۔ اور پھر فتنۂ خفتہ جاگ اٹھا۔ اور نواب صاحب کے سامنے مولوی محمد نبی مجسٹریٹ سے میری گفتگو ہوئی۔ جو آگے بیان کی جا چکی ہے۔ اور وہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا عدو عنید تھا۔ اور بھی غصہ میں بھر گیا۔ چنانچہ احمدی علی خاں شوق اور مولوی محمد نبی مجسٹریٹ نے میرے محلہ میں سے ایک شریر النفس تعلقہ دار حاجی ببّن خان نامی کو باجازت نواب صاحب میرے خلاف اکسا دیا۔ اُس نے تمام محلے والوں کو بلا کر میرے مار ڈالنے اور زدوکوب کرنے پر اُبھارا۔ اور گلی کوچہ میں چلنا مجھ پر دشوار ہو گیا۔ ہر طرف سے اینٹ پتھر گالی گلوچ ہونے لگا۔ اُسوقت میرے پاس عبد المجید (کبابیہ) جو اسوقت قادیان میں ہے۔ میرے گھر کے نزدیک رہتا تھا۔ اور محمد خان کمپونڈر جس نے بغدادی یوسف اور سلیمان ہونیکا دعویٰ کیا ہم تین آدمی ایک ہی محلہ میں رہتے تھے۔ قاسم علی خان مجھ سے کچھ ایک محلہ کے فاصلہ پر تھے۔ ان چاروں کے لوگ درپے ہو گئے۔ بچے سے لیکر بوڑھے تک ہمیں گالیاں دیتے تھے۔ عورتیں گالیاں دیتی تھیں۔ جس مکان میں مَیں رہتا تھا۔ ایک روز محلے والوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ پانی بند کر دیا گیا۔ اینٹ پتھر گارا کیچڑ گوبر جو اُن کے ہاتھ لگا۔ گھر میں پھینکنے لگے تب اُن بچوں کو یہ سمجھا کر کہ دیکھو کسی اینٹ روڑے کا جواب نہ دینا۔ کسی کو لگ گیا تو الٹا مقدمہ ہو جائیگا۔ دروازہ بند کر کے اندر دالانوں میں بیٹھے رہو۔ باہر نہ نکلو۔ ورنہ زخمی ہو جاؤگے۔ چندہ خاں احمدی کے ساتھ جو اتفاقًا اسوقت میرے پاس آیا ہؤا تھا۔ بھوکا پیاسا گھر سے نکلا۔ اُس روز ہم نے کوئی کھانا نہ پکایا۔ نہ پکا سکتے تھے۔ میری بیوی نے اندر گھس کے سوکھے آٹے کو آگ پر بھون کر گھی اور گڑ ڈال کر پنجیری بنائی۔ وہی ہم نے کھائی۔ لیکن پانی اس روز

ایک گھونٹ تک میسر نہ آیا۔ میں گلی کوچہ سے چھپتا چھپتا سکول کے محاذ میں جہاں میری دوسری بیوی رہتی تھی صدن خان کے پاس گیا۔ لیکن صدن خان کی بھی آنکھیں بدلی ہوئی تھیں۔ اُس نے کہا۔ کہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ کہ تم پر پتھر برستے ہوں۔ جہاں تمہارے سینگ سمائیں چلے جاؤ۔ محمد خاں بریلی چلا گیا۔ عبدالمجید بھی گھر چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ میں تمام دن بھوکا پیاسا اسکول میں رہا۔ رات کے وقت جب نصف رات گذر چکی تو گھر میں پہنچا۔ اُسوقت گلی کوچے سب خالی تھے۔ اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لیکر غیر رستہ سے ہوتا ہوا ہندوؤں کے کوچہ میں پہنچا۔ جہاں میں نے ایک مکان کرایہ پر لے رکھا تھا۔ وہاں جاکر ایک مسجد سے پانی بھرا جو کھاری تھا۔ وہی پیا۔ اور اُسی سے روٹیاں پکائیں۔ اور کھائیں۔ کیونکہ بچے سب بھوکے اور پیاسے تھے۔ وہاں مجھ کو دست آنے لگ گئے جسکی وجہ سے میں حس و حرکت نہ کر سکا۔ میرا ارادہ تھا۔ کہ میں رامپور سے باہر نکل جاؤں۔ کہ چار روز کے بعد جبکہ ابھی مجھے پورا افاقہ نہیں ہوا تھا۔ ایک دن رات کے دو بجے مجسٹریٹ محمد نبی خاں اور شرف الدین خان کوتوال قریباً ساٹھ آدمی پولیس کے لیکر مجھ کو تلاش کرتے ہوئے پہلے اُس گھر میں گئے جس جگہ میں رہا کرتا تھا۔ پھر صدن خان کے گھر گئے۔ لیکن اُن میں ایک محمد نبی پولیس مین نوجوان تھا اُس نے کہا میں بتاتا ہوں۔ وہ نجن خان کا رشتہ دار تھا۔ وہ لیکر اُس ہندوؤں کے کوچہ میں پہنچا۔ جو سنتی کے کوئیں کے نام سے مشہور تھا۔ اُس محمد نبی نے مجھ کو اس کوچہ میں گھستے ہوئے دیکھا تھا۔ محمد نبی کی راہنمائی سے یہ سب لوگ میرے مکان پر آئے۔ اور میرا مکان چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نیند سے اُٹھ کر کُرتہ اور پاجامہ پہنے ہوئے سر سے ننگا خبر لینے کے لئے کہ دروازہ پر کون ہے۔ باہر نکلا۔

دروازے پر دو سپاہیوں نے میرے دونوں بازو پکڑ لئے۔ اور مجسٹریٹ صاحب جو سامنے کمر پر ہاتھ رکھے کھڑے تھے۔ اُن کی طرف اشارہ کیا۔ دیکھو مجسٹریٹ صاحب کیا فرماتے ہیں۔ میں نے کہا خیر باشد کیسے تشریف آوری ہوئی۔ کہنے لگے نجن خاں نے تم پر دعویٰ کیا ہے۔ میں نے کہا۔ کیسا؟ کہنے لگے اُس کی بھانجی کی لڑکیاں تمہارے پاس ہیں۔ میں نے کہا۔ عقلاً۔ عرفاً۔ شرعاً۔ قانوناً اس کا کیا حق ہے۔ جواب ملا۔ ہماری گورنمنٹ۔ اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ اندر گھس کے ایک ایک بچے کو پکڑ لو۔ چاروں بچے یعنی ایک لڑکا اور تین لڑکیاں تھیں۔ ان کو زیر حراست کر لیا۔ خالق رضا اور ہادی رضا دونوں بچوں کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ یہ غیر ماں سے تھے میری بیوی کچھ اندر سے بولنے لگی۔ کہ دیکھو تم پردے میں چلے آئے ہو۔ اور بلا اطلاع تم اندر گھس آئے ہو۔ کوئی ستر و حیا نہیں ہے۔ مجسٹریٹ صاحب نے کہا۔ خاموش! زبان کاٹ لی جائیگی۔ اُن چاروں بچوں کو تانگے میں بٹھا کر نجن خاں کے حوالے کر دیا

کوچے سے باہر لاکر میری جامہ تلاشی لی گئی۔ میں تعجب میں تھا۔ کہ ایک ڈاکو یا ٹھگ کے واسطے اسقدر پولیس جمع نہیں ہوتی۔ جو مجھ ایک عاجز اور ناتوان انسان کے واسطے جمع ہو گئی ہے۔ لیکن بجائے حواس باختہ ہونے کے میرا دل اسوقت نہایت قوی تھا۔ باہر ایک شخص کی چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا۔ مجسٹریٹ صاحب اُس پر بیٹھ گئے۔ مگر سبحان اللہ مجسٹریٹ صاحب تو پائینتی کی طرف بیٹھے۔ اور خاکسار سرہانے کی طرف۔ شرف الدین خاں کوتوال اِس ظلم کے ڈر سے پاس کی مسجد میں جا بیٹھے۔ مجسٹریٹ صاحب کچھ لکھتے رہے۔ میں نہیں جانتا کیا لکھا۔ کیونکہ مجھ کو پڑھ کر سنایا نہیں گیا۔ ساتھ سید احمد صاحب وکیل جو آجکل

احمدی ہیں۔ مجسٹریٹ صاحب نے مستغیث کی طرف سے وکیل بنائے تھے لکھ لکھا کر نائب کوتوال صاحب کی طرف اشارہ کیا۔ کہ مولوی صاحب کا انگوٹھا لگوا لو۔ اُس نے میرے بائیں ہاتھ کا انگوٹھا پکڑ کر سیاہی لگا کر اس لکھے ہوئے پر لگا لیا۔ اور مجسٹریٹ صاحب کہنے لگے ذوالفقار علی خانصاحب سے اب کہو۔ کہ جسقدر زور لگانا ہو لگا لیویں میں نے کہا۔ انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ غالباً میرے گناہوں کی سزا مجھ کو مل گئی ہے۔ وہ اب بھی معاف کرے۔ اس پر ایک تانگے کا حکم دیا گیا۔ اور کہا۔ کہ مولوی صاحب کو پکڑ کر اُس میں بٹھا کر اسٹیشن پر پہنچا دو۔ میں نے کہا مجھ کو اجازت ہو۔ کہ میں اپنے گھر کے لوگوں کو کچھ وصیت کر لوں۔ اسپر مجسٹریٹ صاحب کہنے لگے۔ نواب صاحب کا یہ حکم تو نہیں۔ مگر میں اپنی طرف سے کہتا ہوں۔ کہ تم اُن سے بات کر لو۔ میں نے بیوی سے کہا۔ لو میں اب جاتا ہوں۔ میری بیوی کہنے لگی۔ میں بھی چلتی ہوں۔ میں یہاں نہیں ٹھہرونگی۔ میں نے کہا نہیں تمہارے بھائی ہیں۔ اُن کے پاس چلی جاؤ۔ کہنے لگی نہیں میں تمہارے ساتھ جاؤنگی۔ میں نے مجسٹریٹ صاحب سے کہا۔ کہ پھر اجازت ہو تو سامان باندھ لیں۔ کہنے لگے آپ اندر نہیں جا سکتے۔ بیوی سے کہہ دیں جو سامان باندھنا ہو باندھ لیں۔ میں نے بیوی سے کہا۔ سامان چھوڑ دو۔ کتابوں کا گٹھڑ باندھ لو۔ اُس نے عجلت میں جو کتابیں ہاتھ آئیں باندھ لیں۔ باقی کتابیں اکثر رہ گئیں۔ میں نے کہا بستر وغیرہ چھوڑ دو صرف کتابوں کو لے کر باہر آجاؤ۔ چنانچہ ہم چار آدمی دو لڑکے اور میری بیوی تانگے پر سوار کئے گئے۔ اور دو پولیس مین ہمارے ساتھ کر دیئے گئے۔ ایک آگے اور ایک پیچھے اور تاکید کی گئی۔ کہ راستے میں کسی جگہ اُترنے نہ پائیں۔ راستے میں صدن خان کا مکان تھا۔ جہاں میری دوسری بیوی اور شیر خوار بچہ تھا۔ میں نے چاہا کہ اُن سے مل لوں۔ اور انکو کچھ کہہ لوں مگر اُن دونوں پولیس مینوں نے اجازت نہ دی۔ ناچار مدرسے کے محاذ میں تانگہ کھڑا کرا کر صدن خاں کو آواز دی۔ وہ باہر آیا۔ اور تانگے کے پاس کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ ہم تو رات بھر نہیں سوئے۔ کیونکہ پولیس نے بار بار آکر ہمکو کریدا تھا۔ کہ مولوی عبید اللہ کہاں ہے؟ اب اس خیال میں تھے۔ کہ تمہارے پاس پہنچیں۔ میں نے کہا۔ میں خود آگیا ہوں۔ اور میں اب مجبوراً جاتا ہوں۔ کہنے لگے۔ کہ میری بھانجی کا کیا ہوگا۔ میں نے کہا اگر وہ آتی ہیں۔ تو بچے کو لے کر آجائیں۔ کہنے لگے یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر تم مسلمان ہو تو میری بھانجی کو طلاق دیدو۔ اگر طلاق نہ بھی دو۔ تو تم چونکہ غیر مذہب والے ثابت ہو چکے ہو۔ اس لئے نکاح کہاں۔ میں نے کہا۔ جیسی تمہاری خوشی۔ السلام علیکم۔ تانگے والے نے کہا۔ میں زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ وہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر اسٹیشن تھا۔ مجھکو پہنچایا گیا۔ تانگے والے نے کرایہ طلب کیا۔ میرے پاس اسوقت کچھ بھی نہیں تھا۔ آٹھ آنے کی چادر گاڑھے کی جسمیں کتابیں بندھی ہوئی تھیں۔ اس کو دیکر ہاتھ جوڑے کہ میرے پاس کچھ نہیں معاف کرو۔ بادقت تمام اس کو پیچھے سے اُتارا۔ کہ اتنے میں رات کے چار بج گئے۔ اور مرادآباد سے ریل آگئی۔ اسمیں سے ایک شخص جو میرا اور قاسم علی خاں کا واقف تھا۔ اُترا اور حیرت زدہ ہو کر میرا حال پوچھنے لگا۔ میں نے اُن سے کہا۔ کہ راستہ میں قاسم علی خاں کا مکان پڑتا ہے۔ مہربانی کرکے اُن کو کہتے جانا۔ کہ صبح آٹھ بجے سے پہلے جو گاڑی مرادآباد کو جانے والی ہے۔ مجھ سے ملیں۔ کیونکہ میرے پاس اسوقت کوئی کرایہ نہیں تھا۔ صبح کی نماز کے قریب قاسم علیخاں اور چندہ خاں میرے پاس پہنچ گئے۔ قاسم علیخاں نے پندرہ

روپے اور چندہ خاں نے پانچ روپے اسوقت مجھ کو دیئے۔ اتنے میں ذوالفقار علی خاں صاحب کا آدمی میرے پاس پہنچا۔ اُس نے مجھ کو بیس روپے دیئے۔ اور ریل پر سوار کرا دیا۔ قاسم علی خاں اُسوقت تک جب تک میں چلوں اسٹیشن پر ٹھہرے رہے۔ میں نے ٹکٹ دہلی کی لی۔ اور دہلی سے ٹونک کا ارادہ کیا۔ کیونکہ میری بیوی کی پھوپھی ٹونک میں تھی۔ اور اس کا خاوند نواب صاحب ٹونک کا میر منشی تھا۔ دہلی کے اسٹیشن پر شیخ احمد حسین خاں بی۔ اے ہیڈ ماسٹر مدرسہ رامپور مجھ سے ملے۔ آب دیدہ ہو کر کہنے لگے۔ کہ میں تو اسی روز ہی سمجھا تھا۔ کہ جس روز آپ کی نواب صاحب سے گفتگو ہوئی تھی۔ کہ آپ کا اب رامپور میں رہنا اچھا نہیں ہے۔ چونکہ دہلی میں تین چار گھنٹے ٹھہرنا تھا۔ میں میر قاسم علی صاحب سے ملنے گیا۔ میر قاسم علی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تو میر صاحب فرمانے لگے۔ تمنے غلطی کی۔ ایجنٹ صاحب سے اپنا حال بیان کرنا تھا۔ میں نے کہا۔ میں نے عہد کر لیا [illegible] سوائے خدا کے اپنا حال کسی کو نہیں کہونگا۔ یہ وہ [illegible] کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ وفات [illegible] اور مولوی محمد علی صاحب قادیان چھوڑ کر لاہور جا رہے [illegible] نے اس خیال سے کہ اسوقت سلسلہ عالیہ احمدیہ پر ایک سخت وقت آیا ہوا ہے۔ اپنا حال حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں تحریر نہ کیا۔ دہلی سے ٹونک پہنچا۔ تو یہ عجیب بات دیکھی۔ کہ وہاں بچے بچے کی زبان پر یہ میرا ماجرہ چڑھا ہوا تھا۔ میں نے تعجب کیا کہ میرے آنے سے پیشتر ہی میرا واقعہ کس نے آکر یہاں بیان کر دیا۔ وہاں [illegible] میرے والد صاحب حضرت امام علی شاہ صاحب سجادہ نشین رتڑ چھتڑ شریف کی طرف سے ایک دفعہ نواب وزیر الدولہ بہادر کے پاس مولوی محمد اعظم شاہ صاحب کی تعزیت پر تشریف لائے تھے۔ اس لئے مولوی محمد اعظم شاہ کی لڑکی ولایتی بیگم جو [illegible] کی سمبندھن بھی تھی۔ انکو جب یہ معلوم ہوا۔ کہ میاں مظہر جمال کا لڑکا آیا ہے۔ تو انہوں نے میری بوجہ تعلقات قدیمانہ کے [illegible] کی۔ اور فرمایا۔ کہ نواب صاحب بوجہ عرق النساء سخت علیل [illegible] اور کسی سے ملتے نہیں ہیں۔ اُن کی صحت یابی کے بعد میں [illegible] نواب صاحب کی خدمت میں پیش کروں گی۔ نواب صاحب [illegible] ہاجرہ بیگم صاحبہ نے جب سنا۔ کہ رتڑ چھتڑ والوں میں سے [illegible] شخص یہاں آیا ہے۔ تو چونکہ وہ بھی مولوی محمد اعظم [illegible] حضرت امام علی شاہ کے خلیفہ تھے) کے مریدوں میں سے تھیں۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ کیا یہ وہی میاں مہتاب مظہر جمال کے بیٹے ہیں۔ جو نواب وزیر الدولہ کے وقت میں آئے تھے۔ میں تو ان کے گودوں میں کھیلتی رہی تھی۔ انہوں نے ہم سب کا کھانا پینا اپنے ذمہ لے لیا۔ میں چار مہینے تک اسی انتظار میں رہا۔ کہ نواب صاحب تندرست ہو جائیں۔ تو اُن سے ملاقات حاصل ہو۔ کہ مجھے حضرت مولوی شیر علی صاحب کا خط مع تیس ۳۰ روپے منی آرڈر کے پہنچا۔ اور لکھا کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے یاد فرمایا ہے فوراً معہ اہل وعیال کے چلے آؤ۔ کیونکہ قاسم علی خاں اور ذوالفقار علی خاں صاحب اسی اثناء میں قادیان آئے تھے۔ اور انہوں نے مفصل حال حضرت کے حضور بیان کیا تھا۔ میں حسب الارشاد قادیان آگیا۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے مجھکو مدرسہ احمدیہ میں پڑھانے پر لگا لیا۔ اسی اثنا میں میں نے سُنا۔ کہ سنور خاں کی بیوی جو اس میرے معاملہ میں بہت کچھ حصہ لیتی تھی۔ طاعون سے مر گئی۔ نظیر خاں کو دو سال کی قید ہوئی۔ نظیر خاں کی بیوی پر ایک بیگم صاحبہ رامپور نے

سرقے کا مقدمہ دائر کیا۔ اور اس کو دو سال کی قید ہوئی۔ وہ محمد نبی لڑکا جس نے میرا گھر بتایا تھا۔ اور اس کا بھائی ایک سرقہ کے مقدمہ میں ماخوذ ہو کر ملازمت سے برطرف اور تین سال کے لئے دونوں سزایاب ہو گئے۔ بعد دو سال کے قاسم علی خان نے ذکر کیا۔ کہ محمد نبی مجسٹریٹ پر فالج گرا۔ اُس نے یہ کہا تھا۔ کہ اگر مرزا صاحب سچے ہیں۔ تو ہم پر انگارے کیوں نہیں برستے غرض وہ نہایت ہی بُری حالت میں مرا۔ اور اسکا خاندان تباہ ہو گیا۔ ہوم سیکرٹری جو میری تخریب میں دلچسپی لیتا تھا۔ نواب صاحب کا اس پر عتاب ہوا۔ اور رامپور سے نکالا گیا۔ اس طرح خداوند تعالےٰ نے ان تمام لوگوں کو سخت ماخوذ کیا۔ میری بڑی لڑکی کا نواب صاحب کے بھتیجے حیدر علی خاں کے بیٹے چھمن خان سے نکاح کر دیا تھا۔ وہ ایک سال بھر زندہ رہ کر مرگئی۔ چھوٹی چیچک سے مرگئی۔ درمیانی چار سال کے بعد ہیضہ سے مری۔ لیکن یہ دونو ناکتخدا مریں۔ لڑکا قادیان میں آیا۔ اُس نے بہت خباثت پھیلائی۔ بحکم حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ یہاں سے نکال دیا گیا۔ اوارہ پھرتا رہا۔ اور آخر مراد آباد میں بعارضہ سِل و دق مرگیا۔ اس کا نام عنایت اللہ تھا۔ یہ اُن لڑکیوں اور لڑکے کا انجام ہوُا۔

قدرتِ خدا ہے۔ کہ سید احمد صاحب وکیل میری اُس رات کی تقریر سے جو میں نے محمد نبی خاں کے سامنے کی۔ اور اُس استقلال کو دیکھ کر جو مجھ سے ظاہر ہوُا۔ اور انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ میں نے پڑھا اسقدر متاثر ہوئے۔ کہ احمدی ہو گئے۔ اور اب تک سلسلہ کے ساتھ نہایت اخلاص سے وابستہ ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

صحابہ حضرت مسیح موعودؑ

حضرت مولوی ابوالحسن صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳)

ایک واقعہ

مولوی محمد صاحب جو ہمارے علاقہ ڈیرہ غازیخاں کے باشندے تھے۔ اور مشہور اہل حدیث مولوی بہاؤ الدین صاحب کے بھانجے تھے۔ اور ان دنوں میں جب مولوی محمد حسین بٹالوی نے کفر کا فتویٰ تیار کیا دہلی میں پڑھتے تھے۔ ان کا بیان ہے۔ (مولوی محمد صاحب کا) کہ جب مولوی محمد حسین بٹالوی فتویٰ کفر پر مولوی نذیر حسین کے دستخط کرا چکا۔ تو مولوی محمد اسحاق صاحب کے پاس دستخط کی غرض سے لے گیا۔ مگر مولوی محمد اسحاق صاحب نے [illegible]خاص غرض کی بنا پر فتویٰ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ [illegible]نوں میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ اور لڑائی تک نوبت پہنچی۔ اور [illegible] دوسرے کو جاہل کہنے لگے۔ مولوی نذیر حسین بھی قریب [illegible]ن کی گفتگو سُن رہے تھے۔ اُٹھ کر اُن کے پاس آئے [illegible]نے لگے "تم دونو جاہل ہو۔" مولوی محمد اسحاق کو اٹھا [illegible]ساتھ لے گئے جس وقت میں دہلی سے اپنے وطن [illegible]یا۔ تو حضرت اقدس علیہ السلام کے بارے میں خیال رکھتا رہا۔ اگر کوئی حضرتؑ کے بارے میں پوچھتا۔ تو میں بھی کہتا کہ اس بارے میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔

حضرت اقدسؑ کی کتابوں کا مطالعہ

پہلے پہل خانصاحب فتح محمد خان برادر مرحوم سکنہ لیّہ ضلع مظفر گڑھ سے جو ہمارا ہم قوم تھا۔ کتاب ازالہ اوہام ملی۔ جب میں اس کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ تو دورانِ مطالعہ میں لوٹ پوٹ ہو جاتا تھا۔ گو اس وقت میں نے بیعت نہ کی تھی۔ مگر حضرت اقدس کے بارے میں میرے خیالات صاف تھے۔ پھر اس کے بعد مجھے کتاب "آئینہ کمالات اسلام" دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اور اعتقادات بالکل درست ہو گئے۔ اور جب حضرت اقدس کے یہ اشعار کتاب مذکور میں پڑھے

اے معترض بخوف الٰہی صبور باش
زادل چنیں مجوس بہ بیں تا بہ آخرم
بعد از خدا بعشق محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

اے کہ سوئے من بدویدی بصد تبر
از باغبان بترس کہ من شاخ مثمرم

گو یہ اشعار آگے پیچھے ہیں۔ مگر میری زبان پر یہی رہے اور پہلے شعر پر زیادہ عمل رہا۔ یہاں تک ۱۳۱۰ھ ہجری تک پہنچ گیا۔ اور میں نے حضرت اقدس کی خدمت میں بیعت کا خط لکھا

حضرت اقدسؑ کی دستی بیعت

جس وقت میں نے بیعت کا خط لکھا۔ اس وقت میں بستی زندان میں تھا۔ ہم چار آدمیوں نے اکٹھا بیعت کا خط لکھا۔ (۱) خاکسار۔ (۲) دوسرا میرا شاگرد میاں عبد اللہ مرحوم (۳) میاں علی محمد کہ وہ بھی میرا شاگرد تھا۔ (۴) میاں عیسٰی خاں صاحب مرحوم زند بلوچ۔ جسوقت ہم بیعت کا خط لکھ چکے۔ تو پھر ہمیں آرام نہ تھا۔ دل میں ہر وقت ایک سخت پیاس تھی۔ اور ہر وقت یہی خیال تھا۔ کہ کوئی وقت ملے۔ اور ہم دار الامان پہنچیں۔ آخر رمضان شریف کے مبارک مہینے میں کہ انہی دنوں جلسہ سالانہ تھا۔ ہم دار الامان حاضر ہوئے۔ عید وہاں ہوئی۔ گویا ہماری دو عیدیں جمع ہو گئیں۔ ایک صبح کے وقت بیعت کی عید اور دوسری عید الفطر۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

جس وقت ہم بیعت بذریعہ خط لکھ چکے۔ تو میں بستی زندان سے ڈیرہ غازی خاں سے ہوتا ہوُا۔ اپنے اصلی وطن کی طرف واپس آیا۔ ڈیرہ غازی خاں میں مولوی عزیز بخش صاحب احمدی سے ملا۔ ان سے قادیان جانے کے بارہ میں کہا۔ انہوں نے بتایا کہ عنقریب جلسہ سالانہ ہونے والا ہے۔ فلاں تاریخ تم ملتان آجاؤ۔ پھر اکٹھے چلے جائیں گے۔ آخر میں گھر پہنچا اور اپنی والدہ محترمہ اور بیویوں سے حضرت کا ذکر کیا۔ انہوں نے حضرت اقدسؑ کو قبول کیا۔ میری والدہ محترمہ نے فرمایا۔ کہ میری بیعت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ مگر ان کے بعد کسی کی بیعت جائز ہے تو لکھدو۔ میں نے عرض کیا۔ کہ اگر خواجہ سلیمان علیہ الرحمۃ زندہ ہوتے۔ تو وہ بھی حضرت اقدسؑ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کرتے۔ آخر ان کی بیعت بھی لکھدی گئی۔ میری ایک بیوی لنگرودھ کی تھی۔ ان کی والدہ نے بھی بیعت کی۔ یعنی میری خوشدامن صاحبہ نے۔

جس وقت بیعت کر کے دار الامان سے واپس آنے لگے۔ تو میں نے حضرت اقدسؑ کی بہت سی کتابیں خریدیں۔ اس وقت مہتمم کتب مولوی فضل الدین صاحب بھیروی تھے۔ اُن کو کتب قرض لے کر آیا۔ اور بعد میں قیمت روانہ کی گئی۔

جس وقت میں نے کتاب حمامۃ البشریٰ حضرت اقدسؑ کی پڑھی۔ تو ایسا اطمینان قلب نصیب ہوُا۔ جو پہلے نہ تھا۔

مخالفت

جس وقت میں بیعت حضرت اقدسؑ کے دست مبارک پر کر کے واپس آیا۔ تو تمام مخالف دریائے سندھ کے مغربی اور مشرقی علاقہ کے اکٹھے ہوئے۔ اور مجھ پر کفر کا فتویٰ دے دیا۔ آخر وہ سب کے سب نہایت ذلیل ہو کر ہلاک ہو گئے۔ اور میرا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے۔ تمام مخالفت کا سرغنہ مولوی ابراہیم تھا۔ جو ذات کا کُنڈ تھا۔ ایسی ذلت سے مرا کہ پاخانہ منہ سے آتا تھا جس وقت مرا تو اس کا چہرہ بھی شرمندگی کے باعث کسی کو نہ دکھاتے تھے۔

فاعتبروا یا اولوا الالباب

آخر خاکسار کی تبلیغ سے بستی زندان کے اکثر لوگ حضرت اقدسؑ کی بیعت میں شامل ہو گئے۔ خدا کے فضل سے یہ تمام بستی احمدیوں کی ہے۔ اور ان میں بہت مخلص لوگ ہوئے ہیں۔ اور بعض فوت ہو گئے ہیں۔ اور بعض زندہ ہیں۔ مولا کریم ان سب پر رحم کرے۔

اس کے بعد ہم حضرت اقدس کا نام پہنچانے کی کوشش میں رہے۔ اور حتیٰ الامکان خوب تبلیغ کی۔ جب تک چلنے پھرنے کی طاقت تھی۔ چل پھر کر تبلیغ کرتے رہے لیکن اب تو کمزوری اس قدر ہے۔ کہ بستر سے اٹھنا بھی محال ہے۔ تمام احباب سے التماس ہے۔ کہ میرے لئے دعا فرماویں۔ کہ مولا کریم انجام بخیر کرے۔ ہم سب پر اپنی قرب کی راہیں کھولے۔ آمین ثم آمین۔

نوشتہ
خاکسار علی محمد احمدی بزدار ہیڈ ماسٹر لوئر مڈل سکول چوٹی
ضلع ڈیرہ غازیخان